ہندوستان کے عربی شعراء پر ایک نظر
(ایک مضمون کا جائزہ)

از

(جناب مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی لکچرر تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

مارچ سنہ ۵۰ء کے معارف میں میرا مضمون "ہندوستان کے عربی شعراء پر ایک نظر" چھپا تھا۔ مضمون اس وسیع موضوع پر آغاز بحث کا پہلا قدم تھا اور بس؛ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ۵۱ء میں اوپر تلے دو مقالے اسی موضوع سے متعلق نظر نواز ہوئے۔ مولانا مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری کا مقالہ جمہور علی گڈھ (جنوری ۵۱ء نمبر۱) میں اور جناب اختر تلہری کا مفید مضمون مجلہ معارف (ج ۶۷/۳) میں۔ خاص طور پر مولانا کامون پوری کے مضمون سے میری دلچسپی کی ایک وجہ یہ ہے کہ موصوف نے راقم السطور کی بعض مسامحتوں کی طرف بھی توجہ فرمائی ہے؛ مسامحت کا وقوع عقلاً یا عادۃً کچھ محال نہیں، آئے دن ایک سے ایک دلچسپ یا یوں کہئے کہ اعلیٰ قسم کی مسامحتیں ہمارے مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں، جن سے طبقۂ علیا کے فضلاء بھی براءت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اور اگر مسامحت واقعۃً صحیح ہو تو اسے قبول کرنا کچھ باعث ننگ و عار نہیں۔ راقم جیسے بے بضاعت سے اگر مسامحت یا صریح لفظوں میں یہ کہئے کہ کوئی غلطی سرزد ہی ہو گئی تو اس پر مجھے تعجب نہیں اور فراخدلی کے ساتھ غلطی کا تسلیم کر لینا اپنا فرض سمجھتا ہوں بشرطیکہ وہ غلطی واقعی ہو؛ سطور ذیل میں قارئین کو ان مسامحتوں کا حال معلوم ہوگا ساتھ ہی جمہور کے فاضل مضمون نگار کے مضمون میں سے بعض اہم نقاط بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔

مولانا کامون پوری کے مضمون کی طرف توجہ سے پہلے ناظرین کی توجہ میرے مضمون مطبوعہ معارف کی تمہیدی عبارات کی طرف مبذول ہونی چاہئے۔ اپنے مضمون میں بطور تمہید جو کچھ لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ قدیم عربی اسلوب، مولد اور عجمی شعراء کے کلام میں مفقود ہے۔ اسی نقطۂ خیال کو میں نے ہر ممکن اختصار کے ساتھ ظاہر کیا ہے، چونکہ یہ تمہید ہی نہایت مختصر مضمون کی تھی لہذا اس میں اختصار

پسندی بھی بے جا تھی میں نے اپنے خیال کی ترجمانی وضاحت سے نہیں کی۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی میرا دعویٰ ہے کہ اس خیال کا سمجھنا اہلِ نظر کے لئے کچھ دشوار نہ تھا۔

ابن خلدون کی عبارت برمحل نہ سہی بے محل کیسے ٹھہری جب کہ قارئین کی نگاہ مخضرمین و مولدین سے گذرتی ہوئی اہلِ عجم کے طبقہ تک پہنچتی ہے اور جب کہ تاریخ ادبیات عرب کے جاننے والے جانتے ہیں کہ اہل عجم پر مولدین و محدثین ہی کا اثر براہ راست ہوا اور اس اعتبار سے مولد شعراء کی حیثیت اگر استاذ و امام کی ہوئی تو کیوں نہ ہم ان کے مقلدین اور معنوی شاگردوں یعنی اہل عجم کی خامی ثابت کرتے ہوئے ان کے اساتذہ ہی کی خامی سے استدلال کریں۔ بعینہٖ یہی صورت ہوئی ہے کہ مولدین کے بعد جب ہم نے عجمی ادباء و شعراء کا ذکر کیا تو ان کے سبک و اسلوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن خلدون کی مندرجہ ذیل عبارت بھی نقل کر دی۔

"بھذا الاعتبار کان الکثیر ممن لقینا من شیوخنا فی ھذہ الصناعۃ الادبیۃ یرون ان نظم المتنبی والمعری لیس ھو من الشعر العربی فی شیٔ لانھما لم یجریا علی اسالیب العرب":

اسی اعتبار سے فن ادب کے اکثر شیوخ جن سے میری ملاقات ہوئی یہ رائے رکھتے تھے کہ متنبی و معری کی نظمیں کسی حیثیت سے بھی شعر نہیں اس لئے کہ یہ دونوں اسالیبِ عرب پر نہیں چلے"۔ (معارف مارچ ۱۹۵۵ء)

مجھے کیا علم تھا کہ اس اختصار پسندی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ بعض قارئین غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان عبارتوں کی ظاہری ترتیب سے متنبی و معری کا عجمی النسل ہونا اخذ کریں گے۔ عبارتیں خواہ اپنی اپنی جگہ پر مستقل قطعۂ کلام ہوں لیکن جب سلسلۂ کلام ایک ہے تو ان عبارتوں کے معنوی تعلق و ارتباط کو ملحوظ نہ رکھنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ مولانا نے محض ترتیبِ عبارات سے جو کچھ اخذ کیا وہ قطعاً تعسف پر مبنی ہے؛ کاش ہم اسے تسلیم نہیں بلکہ اپنی ایک عظیم غلطی تسلیم کر لینے کی معقول وجہ سمجھ سکتے۔ اس کا اعتراف ضرور ہے کہ مولانا نے ذہنِ رسا پایا ہے اور آگے دیکھئے کہ آپ کی ذہانت کیا گل کھلاتی ہے۔

فرماتے ہیں:۔ "اسی طرح اس مضمون میں یہ بھی دلچسپ انکشاف ہے کہ ابوریحان بیرونی ہندوستان کا عربی شاعر ہے" (جمہور ص۶۔ عامود ۳)

سبحان اللہ کیا دقیق استنباط ہے! یہ مغز نغز ہے ہماری تمہید ہی کی ایک عبارت کا جس کے رموز و نکات کا سمجھنا مولانا کی طبع وقاد ہی کا حصہ تھا، ہماری وہ عبارت جس میں آپ کو مذکورہ بالا "انکشاف" نظر آیا حسب ذیل ہے:۔

"ہندوستان کی تاریخ سے اگر سندھ کی عربی حکومت کو الگ کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں عربی ان مسلم فاتحین ہی کے ذریعہ آئی جن کے درباروں میں حسن بن اسحٰق فردوسی ملک الشعراء، احمد عنصری، ابوالحسن رودکی، فرخی، علی عنزنی وغیرہ کا طوطی بول رہا تھا انہی درباروں میں قفال مروزی، ابونصر عراق، ابوریحان البیرونی ابوالحسن الخمار جیسے حکماء بھی ملیں گے جنہوں نے اپنی قیمتی تحقیقات و معلومات سے عربی زبان کو مالا مال کیا (معارف مارچ ۱۹۷۰ء)

البیرونی کا نام پورے مضمون میں صرف ایک جگہ اسی عبارت میں آیا ہے۔ اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ مولانا نے ہمارے جس "انکشاف" کا انکشاف فرمایا اس کا احساس ہمیں پہلے کیوں نہیں ہوا یا اب بھی کیوں نہیں ہوتا۔ ذہن کی الجھن اور دو چند ہو جاتی ہے جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا کے اجتہادِ مطلق نے ایک البیرونی پر کیوں قناعت کی جبکہ ایک طویل فہرست اسماء و اعلام کی ہماری عبارت میں موجود تھی اگر مولانا چاہتے تو اپنے اجتہاد کا دائرہ اور وسیع کر دیتے اس طرح نہ صرف یہ کہ ایک "انکشاف" بلکہ بہت سارے انکشافات کا علم انھیں حاصل ہوتا اور دنیا ان کے "اختراعات فائقہ" پر آفریں کہتی: بہرحال اس ایک اختراع پر بھی مولانا مستحق تحسین و ستائش ہیں:

عجبت لمن له قد وحد ۔ وینبو نبوۃ القضم الکھام

آیئے تھوڑی دیر مولانا کے "ذوق ادب" کا بھی مطالعہ کریں، اس سلسلہ میں آپ کا مضمون "ہندوستان میں عربی شاعری" ـــــ جس کا تعلق نفس موضوع سے واجبی ہی ہے ـــــ ایک اہم دستاویز ہے جس کے بلند آہنگ دعاوی کی روشنی میں اگر ان کے "حسن مذاق" کا جائزہ لیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ زیر بحث

ابن خلدون کی عبارت منقولہ بالا ہے، کہ اس عبارت میں ابن خلدون نے اپنے شیوخِ ادب کے حوالہ سے متبنی و معری کے بارہ میں جس خیال کا اظہار کیا ہے وہ کہاں تک صحیح اور کس حد تک اختلاف کے قابل ہے۔ ہمارے مضمون مطبوعۂ معارف میں اس بارہ میں کوئی ایسا جملہ نہیں جس سے یہ سمجھا جائے کہ ہمارے نقطۂ خیال سے ابن خلدون کا بیان حرف بحرف صحیح اور ناقابلِ اختلاف ہے، البتہ ہمیں ابن خلدون کے بیان سے بڑی حد تک اتفاق ضرور ہے ابن خلدون نے جس خیال کا اظہار کیا ہے اسی کا اعادہ ان لفظوں میں بھی کرتا ہے کہ :-

ولهذا كان شيوخنا رحمهم الله
يعيبون شعر ابي بكر بن خفاجة
شاعر الاندلس لكثرة معانيه وازدحامها
في البيت الواحد كما كانوا يعيبون
شعر المتنبي والمعري بعدم النسج
على الاساليب العربية كما مر فكان
شعرهما كلاماً منظوماً نازلاً عن
طبقة الشعر والحاكم بذلك
الذوق (مقدمہ ص۵۷۵)

ہمارے شیوخ اندلس کے مشہور شاعر ابوبکر بن خفاجہ کی شاعری پر اسی لئے نکتہ چینی کرتے تھے کہ اس کے ایک ہی بیت میں معانی کی کثرت ہوتی ہے۔ متبنی اور معری کے کلام میں بھی ان شیوخ کو یہی عیب نظر آتا تھا کہ ان کے کلام میں اسالیبِ عرب کی کمی ہے لہٰذا ان دونوں کا کلام منظوم، شعرِ عربی کے معیار سے نیچا ہے اور اس فیصلہ کا تعلق ذوقِ ادب سے ہے۔

ابن خلدون کے مقابلہ میں مولانا کا مون پوری۔ قاضی جرجانی کے مکتب خیال سے وابستہ ہی نہیں بلکہ اس سے بھی دو چار قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں، معلوم نہیں آپ کس ادبی و شعری مکتب کے تربیت یافتہ ہیں کہ آپ کے زعم میں ابن خلدون نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف اس کی اُپج ہے لغو محض ہے اور اس کے قول کو واقعیت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اور اس کی بات صحیح بھی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ وہ عربی ادب کا نقاد نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس کا قول بہ قول مولانا موصوف "عربی ماحول میں تسلیم نہیں کیا گیا" (جمہور ص۶ ماہ مئی ۳ء) اور یہ عربی ماحول جہاں ابن خلدون کو بار دانی نہیں ہو سکتی ہمارے مولانا ہی کے دماغ کی تخلیق ہے

یا یہ متنبی کے شراح و مفسرین کا ماحول ہے جس کے متعلق آپ رقمطراز ہیں کہ:۔

" صرف ابن خلکان کے ایک شیخ کو متنبی کی چالیس شرحوں کا علم تھا؛ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ علما کا یہ شغف کسی اور شاعر کے کلام سے ظاہر نہیں ہوا گویا علمائے ادب نے اسے غلطی سے اپنی پسندیدگی کا مرکز بنایا۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق تو متنبی کی نظم کو شعر ہی نہیں کہہ سکتے۔ یہ ابن خلدون کی اپج تھی اور ابن خلدون کی اس طرح کی اپج ان کے خاص موضوع تاریخ نگاری میں بھی جگہ جگہ پر نمایاں ہے:" (جمہور ص۶ عامود ص۳)

واقعی یہ ابن خلدون کی سراسر زیادتی تھی کہ اس نے مولانا کامون پوری جیسے فاضل یگانہ کے محبوب تر شاعر "متنبی" کے اعجاز بیان سے مسحور ہونے کے بجائے اس کی ایسی توہین کی اور یہ جانتے ہوئے کہ متنبی کو علماء و ادباء اپنی پسندیدگی کا مرکز بنا چکے ہیں اور اس کے دیوان کے شارحین و مفسرین کی تعداد "لاتعد ولاتحصی" ہے ابن خلدون کی یہ جرأت کہ متنبی اسالیب عرب پر نہ چلا لہٰذا اس کا کلام منظوم شعر کے حکم میں نہیں ہرگز قابل معافی نہیں،

یہ تو خیر ابن خلدون کی اُپج تھی اور وہ بھی اس کی اپنی نہیں بلکہ شیوخ ادب سے مستعار جسے نقل کرنے کا وہ گنہگار ہے لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ متنبی کے شراح جن کے اعتناء و شغف کا حال مولانا نے ابن خلکان کی زبانی سنایا انھی میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو شرح کرتے ہیں متنبی کے کلام کی اور تفسیر بیان کرتے ہیں اس کے افکار بدیعہ و مطالب سنیہ کی لیکن جب متنبی کے کلام کی طرف رجحان عامہ کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں تو ان میں سے ایک سبب ادبی ذوق کی پستی ہی کو قرار دیتے ہیں؛ الواحدی جس کی شرح سے بہتر بمشکل کوئی دوسری شرح ہوگی اور جس کی تعریف و توصیف میں ابن خلکان رطب اللسان ہے وہ اپنی شرح کے خاتمہ میں رقمطراز ہے کہ:۔

واماد عانی الیٰ تصنیف ھذا الکتاب	"باوجودیکہ فن ادب کا زوال ہے اس کتاب کی تصنیف
مع خمول الادب وانقراض زملنہ	کا سبب لوگوں کا یہ اتفاق اس دیوان کو پسند کرنا، اس
اجتماع اھل ھذا العصر قاطبۃ علی	کے حفظ و روایت میں ان کا انہماک، اور جمیع اشعارِ
ھذا الدیوان وشغفھم بحفظہ ودرا ستہ	عرب یعنی جاہلی و اسلامی شعراء کے کلام سے ان کی رو

وانقطاعهم عن جميع اشعار العرب جاهليتها واسلامها الى هذا الشعر حتى كان الاشعار كلها فقدت وليس ذلك الا لتراجع الهمم وخلو الزمان عن الادب وقلة العلم بجوهر الكلام ومعرفة جيده من رديئه (کشف الظنون ج ۲/۳۰۹، فلوگل)	گردانی ہے؛ (ان کا شغف دیوان متنبی سے اس حد تک ہے) کہ کلام عرب کا ذخیرہ گویا مفقود ہو چکا ہے؛ اس عام رجحان کا سبب ہمتوں کی پستی، زمانہ کا ادب اور ادبا سے خلو، جوہر کلام کی پرکھ اور جید و ردی کی شناخت کی کمی ہے۔

خدارا کوئی یہ بتائے کہ الواحدی کی یہ شکایت کیوں تھی؟ اور اس کا سبب کیا تھا بجز اس ادبی انحطاط کے کہ دنیا صرف افکار و معانی کو منتہائے کمال سمجھ کر متنبی کے دیوان سے کامل اعتناء ظاہر کر رہی تھی اور جمیع اشعارِ عرب خواہ وہ جاہلی دور کے ہوں یا اسلامی دور (صدر اول) کے جو لسانی اعتبار سے قیمتی جواہر تھے وہی برباد ہو رہے تھے: واحدی اگر اس پر بھی بس کرتا تو مولانا کے لئے تاویل کی گنجائش باقی تھی لیکن وہ تو صاف طور پر کہہ رہا ہے کہ یہ ذہنی فطور، یہ ادبی انحطاط اور اسی قسم کے سارے انقلابات کیوں تھے؟ صرف اس لئے کہ ہمتیں پست ہو چکی تھیں، زمانہ میں ادب کا قحط نمایاں تھا اور جوہرِ کلام کی شناخت مفقود ہو رہی تھی اچھے برے کا امتیاز مٹ رہا تھا غرض ایسے انقلاب کے عالم میں متنبی کے کلام کا عالمگیر ہو جانا اور عام ذہنیتوں پر اس کی شعریت کا تسلط یہ تو ثابت نہیں کرتا کہ متنبی کا دیوان کلام عرب کے اصل جوہر کے اعتبار سے بھی شاہکار ہے اور اس پر نکتہ چینی غلط متنبی کے شارحین کی کثرت اور اس کے کلام کی طرف رجحانِ عام کا ثبوت مہیا کر کے مولانا نے بزعم خود گویا یہ بھی ثابت کر دیا کہ متنبی کا کلام بحیثیت "عربیت" یا باعتبار سبک و اسلوب "ابن خلدون کی تنقید سے بالاتر ہے؛ مولانا کا یہ جملہ گویا علمائے ادب نے اسے غلطی سے اپنی پسندیدگی کا مرکز بنایا۔ ان کے اس حسنِ ظن پر مبنی ہے کہ علماء غلطی نہیں کر سکتے یا غلطی کرنا شانِ علم کے منافی ہے لیکن ان کا یہ حسن ظن امام واحدی کے بیان کی روشنی میں انتہائی بے خبری کا پتہ دیتا ہے۔

مولانا صاحبِ نظر ہیں؛ عربی ادبیات سے ذوق رکھتے ہیں، کلامِ عرب کے ناقدین کی آراء واہواء

سے بھی ان کو ضرور واقفیت ہوگی اگر وہ ابن خلدون کے بیان پر غور فرماتے تو یقیناً اسی نتیجہ تک پہنچتے کہ ابن خلدون کے یہ الفاظ صرف اس کے اپنے خیال کی ترجمانی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس کا یہ خیال ادباء متقدمین کی ایک سربرآوردہ جماعت کے اقوال سے ماخوذ و مستفاد ہے؛ لیکن انھوں نے بلا تامل ابن خلدون کے قول کو بے اصل قرار دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے موضوع تاریخ نگاری پر بھی آپ حملہ آور ہو گئے: اور آپ نے اس کے قول کے متعلق بحیثیت قاضیٔ عادل یہ فیصلہ بھی صادر فرما دیا کہ اس کا قول عربی ماحول میں تسلیم نہیں کیا گیا۔

کیا ابن عباد، محمد بن الحسن الحاتمی، ابن وکیع، ابن جنی وغیرہ کے تمام تر مؤاخذات بے معنی تھے، مکابرہ و تعسف پر مبنی تھے؟ یا کچھ اصلیت بھی ان میں پائی جاتی تھی: اور ابو ہلال عسکری جس کی ادبیت و علمیت مسلمہ ہے اس کے یہ الفاظ شاید واقعیت سے بہت دور ہیں؟ کہ

"ولا اعرف احداً کان یتتبع العیوب فیاتیها غیر مکترث لها الا المتنبی فانه ضمن شعره جمیع عیوب الکلام ما اعدم منها شیئاً"
(الصناعتین: ص ۱۵۲ طبع ثانیہ)

میری دانست میں متنبی کے سوا کوئی اور ایسا نہیں جو سارے عیوب کا تتبع کرتا ہوا اور بے پروائی کے ساتھ ان عیوب کو اختیار کرتا ہو، یہ صرف متنبی ہے جس نے اپنے کلام میں جملہ عیوب کو جمع کیا اور شاید ہی کوئی عیب اس کے دائرہ سے خارج رہا ہو۔

سوال یہ ہے کہ مولانا جس "عربی ماحول" کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں وہ ان ائمہ ادب کے ماحول سے بھی بالاتر کوئی چیز ہے؟ اگر کوئی ایسی ہی چیز ہے تو اس کا وجود شاید مولانا ہی کے ذہن و دماغ کے "خلیہ" میں مصروف نمو ہوگا ورنہ ہمارے پیش کردہ اقوال سے ارفع و اعلیٰ کوئی اور ماحول تو ادبیاتِ عرب کی تاریخ میں بظاہر موجود نہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں اور بجا سمجھتے ہیں کہ ابن خلدون کا بیان نہ اس کی اپنی اُپج ہے اور نہ اس کے شیوخِ ادب ہی کا اختراع بلکہ یہ انھی ائمہ ادب کی رائے کا پرتو اور انھی کے اقوال کی بازگشت ہے؛ اور اگر عسکری، حاتمی، ابن عباد و ابوالقاسم المرتضیٰ وغیرہ کے ماحول کو ادبی ماحول نہ مانیں تو اس مکابرہ کا کیا جواب؟ غرض یہ منکشف حقیقت ہے کہ ابن خلدون نے اپنے الفاظ میں جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ طرز اول کے "ادبی ماحول" میں تسلیم شدہ ہے ـــــ یہ باتیں تو رہیں ایک طرف، خود متنبی کا یہ حال ہے کہ کم از کم اپنے

آخری دور کے کلام میں نقص و فتور کا اعتراف صریح لفظوں میں کرتا ہے:-

قد تجوزت فی شعری و اعضیت — یعنی آل حمدان کی مفارقت کے بعد شعر و شاعری میں کچھ

طبعی و اغتنمت الراحة مذ فارقت — باقی نہیں رہا طبیعت پر زور ڈالنا بھی ترک کر دیا اور اب

آل حمدان: (الشریشی منہ۱۵) — راحت ہی غنیمت معلوم ہوتی ہے۔

اس بحث کو مزید طول دینے کے بجائے ہم متنبی اور معری کے متعلق اپنے تاثرات کو مختصر لفظوں میں پیش کر دینے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ متنبی بے شک معجز نگار شاعر تھا اس کی عظمت ادبی حلقوں میں جانی پہچانی ہے اور اس کے محاسن کا اعتراف نہ کرنا صریح تعدی ہے لیکن ہم اس کے عیوب و مساوی کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتے۔ اسی طرح معری کی جلالتِ شان بھی محتاج تشریح و بیان نہیں۔ ابن خلدون کا بیان اس سلسلہ میں ممکن ہے کہ تشدد آمیز ہو، بے اصل اور ہیچ ہرگز نہیں اور اس کے متعلق مولانا کا یہ فرمانا کہ اس کا قول عربی ماحول میں تسلیم نہیں کیا گیا، کمال تجاہل ہے؛

مولانا کو ابن خلدون سے خاص طور پر کد ہے فرماتے ہیں کہ "وہ خالص عرب نہیں" گویا ہم نے اپنے مضمون میں ابن خلدون کو خالص عرب قرار دیا تھا کہ مولانا کو اس کے حسب و نسب سے تعرض کرنے کی ضرورت پڑی یا آپ کا یہ مقصد ہے کہ چونکہ وہ خالص عرب نہیں لہذا اس کا قول ادبی حلقہ میں مستند و معتبر نہیں۔ اگر مولانا کا یہی مقصد ہے تو سمعانی و حموی کے اقوال سے استناد کہاں تک صحیح ہے؟ بہرحال ابن خلدون کے جاننے والے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ اصلاً و نسلاً حضرمی عرب تھا پھر بھی مولانا کی موشگافی تو یہ قابل التفات نہیں؛

آپ کا ایک اور حملہ ابن خلدون کے متعلق یہ ہے کہ "وہ عربی ادب کے نقاد نہیں ہیں" حالانکہ ابن خلدون سے واقفیت رکھنے والے عموماً یہ بھی جانتے ہیں کہ کتاب الاغانی کے اشعار، الاعلم کی کتاب الحماسہ اشعار عرب کے دفاتر ستہ، خود متنبی کے کلام کا ایک حصہ اور بھی اشعار و قصائد اس کی نوک زبان پر تھے اس نے ادب اور علوم اللسان کی تحصیل اپنے عہد کے مشاہیر سے کی تھی، ان تمام باتوں کا ذکر وہ اپنے خود نوشت ترجمہ میں کرتا ہے کلام عرب سے اس کو جیسی مزاولت و ممارست حاصل رہی ہے وہ اس کے اپنے

بیان کے علاوہ وزیر لسان الدین ابن الخطیب کے الفاظ سے ظاہر ہے؛ اور ابن الخطیب جیسا بلند پایہ ادیب اس کے کلام منظوم و منثور کا معرف ہی نہیں بلکہ اس کے نقاد ہونے کی شہادت دیتا ہے (نفح الطیب ج ۴، کتاب العبر ج ۷)

مولانا نے ابن خلدون کی تاریخ نگاری پر جو حملہ کیا ہے اس کا سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اگر وہ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بھی کچھ مواد اپنے مضمون میں فراہم کر دیتے تو حقیقت حال واضح ہو جاتی؛ گمان غالب یہ ہے کہ مولانا کا یہ دعویٰ ابن خلدون کے مقدمۂ تاریخ کے بعض مخصوص ابواب ہی سے متعلق ہوگا بہرحال صرف ظن کی بنا پر ہم کچھ مزید کہنا نہیں چاہتے؛

خاتمۂ کلام میں مولانا کے مضمون کی آخری عبارت کی طرف توجہ ضروری ہے وہ عبارت حسب ذیل ہے

"جس طرح اہوازی، تنوخی اور ایرانشہری نے ہندی علوم و فنون پر توجہ کے سلسلے میں ہندی کے بہت سے اصطلاحات و الفاظ عرب کو تحفہ میں دیئے جس طرح مسلمان تاجر ابوزید سیرافی، مسعودی، بلاذری، ابن خرداذبہ ابودلف ینبوعی، بزرگ بن شہریار، اصطخری ابن حوقل، بشاری مقدسی نے ہند کی سیاحت سے فائز ہوکر یہاں کے خیالات کے لئے ہندی زبان سے الفاظ کا بڑا ذخیرہ عربی زبان کو دیا اسی طرح مولانا فضل حق نے بھی اپنی نظم و نثر میں اردو ہندی کے الفاظ عربی تصرفات کے ساتھ استعمال کئے ہیں در انبہ جمع کبان خطوط الامان ر و ا ز ن (روزن) تکا کرہ (ٹھاکر) اور ایسی ہی دوسری مثالیں آپ کے کلام منظوم و منثور میں پائی جاتی ہیں" (جمہور عشہ عامود ۲)

یہ عبارت اپنی جگہ پر مفید اور ایک دلچسپ لغوی بحث کا آغاز ہے مولانا نے جو کچھ بیان کیا وہ روشن حقیقت ہے یقیناً علامہ فضل حق خیر آبادی کی نظم و نثر میں اردو ہندی الفاظ عربی تصرفات کے ساتھ مستعمل ملیں گے چنانچہ چند الفاظ علامہ خیر آبادی ہی کے استعمال کردہ بطور مثال پیش کئے گئے لیکن ان الفاظ کے سلسلہ میں اگر مولانا کام پوری تحقیق سے کام لیتے تو قارئین کو زیادہ فائدہ پہنچتا اور ان کے مضمون کی قیمت بھی دوبالا ہو جاتی یا کم از کم یہی ثابت ہوتا کہ الفاظ مذکورہ علامہ خیر آبادی ہی کے تصرف و استعمال سے عربی زبان میں داخل ہوئے ہیں تو بھی اک بات ہوتی؛ ان الفاظ میں سے صرف خطوط الامان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس مرکب

صورت میں علامہ خیرآبادی ہی کے تصرف کا نمونہ ہے بقیہ الفاظ اگر علامہ کے کلام میں ملتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں؛ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ ایسے الفاظ چھانٹ کر پیش کئے جاتے جن کو مولانا خیرآبادی سے پیشتر کسی نے استعمال نہ کیا ہو؛ فاضل مضمون نگار کا بھی یہی مقصد تھا لیکن ایک لفظ کے سوا باقی الفاظ کی تاریخ استعمال کا انھوں نے خیال نہ کیا؛ واقعہ یہ ہے کہ "خطوط الامان" کے ماسوا الفظوں کا استعمال عربی زبان میں زمانۂ قدیم سے رہا ہے "التکاکرہ" کا استعمال مشہور مورخ البلاذری کی کتاب فتوح البلدان میں موجود ہے بلاذری کے یہ الفاظ ہیں؛ ولقیہ محمد والمسلمون وھو علی فیل وحولہ الفیلۃ ومعہ التکاکرۃ (ص ۴۳۸، س ۱۱، طبع دی خویہ، ۱۸۶۶ء) اسی طرح لفظ "روزن" بجمع و مفرد بہر صورت عربی معاجم میں اس کا وجود قدیم ہے ابن سیدہ اور الازھری جیسے ائمہ لغت اس سے اچھی طرح واقف ہیں چنانچہ لسان کی عبارت ہے:۔ الروزنۃ : الکوۃ، وفی المحکم: الخرق فی اعلی السقف؛ التھذیب، یقال للکوۃ النافذۃ، الروزن. قال راحسبہ معربًا وھی الرواز ن تکلمت بھا العرب (ج ۱۷/ ۳۹) دربان یا دربانیہ سے عرب جاہلیت بھی واقف تھے المثقب العبدی جسے ابن قتیبہ "جاہلی قدیم" کہتا ہے اسی کا ایک شعر ہے کہ:۔

فابقی باطلی والجد منھا کدکان الدرابنۃ المطین

سلسلہ تاریخ ملت نبی عربی صلعم

جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرورکائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جدید ایڈیشن جس میں اخلاق سرورکائنات صلعم کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب ماہر القادری کا سلام بہ درگاہ خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے کورس میں داخل ہونے کے لائق کتاب ہے زبان بہت ہی ہلکی اور صاف ہے قیمت ۸؎ مجلد ۱۲؎

مکتبۂ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی